کچھ بھی تو اپنے پاس نہیں جز متاعِ جاں
اب اس سے بڑھ کے اور بھی کوئی ہے امتحاں
لکھنے کو لکھ رہے ہیں غضب کی کہانیاں
لیکن نہ لکھ سکے کبھی اپنی ہی داستاں

جاسوسی

تنویر عادل نجمی

ہزار زیست ہو پائندہ تر، مگر اسرار
اجل نہ ہو تو بنے کون بارِ غم کا کفیل

اسرار ناروی، ابنِ صفی، پرکاش سکسینہ، طغرل فرغان، سنکی سولجر
عقرب بہارستانی۔

یہ چھ الگ افراد نہیں بلکہ ایک ہی انسان کے چھ مختلف پہلو ہیں جنھیں ہم انسانیت کے علمبردار، آدمیت کے حامی ہر قسم کے تعصبات کے مخالف اور معاشرے پر اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کے قائل، ہر دلعزیز ادیب، مزاح نگار، شاعر اور اردو زبان میں ایک مظلوم شعبہ "جاسوسی ادب" کے بانی محترم ابنِ صفی کے نام سے جانتے ہیں۔

جی ہاں وہی ابنِ صفی... جو اپنی لازوال اور نادر تحریروں کی بدولت ہم سب کے دلوں میں زندہ رہیں گے۔ وہ ایک عظیم انسان سچے پاکستانی اور اسلام کے نام لیوا تھے۔ وہ ایک ایسی بے قرار روح تھے جو دُنیا کے تپتے ہوئے صحرا میں خاردار کانٹوں کو تو جسم میں برداشت کر لیتے تھے مگر انسانیت کے جسم میں کسی قسم کی سوزش نہ سہہ سکتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی کتابوں کے ذریعے سُپر پاورز کی ریشہ دوانیوں، تھریسیا اور جولیا کی عمران سے یکطرفہ محبت، حمید کے ذہنی فتور... صفدر کے ہر قسم کی فکروں سے آزاد کام کرنے کی دُھن کا تذکرہ کیا ہے... علی عمران جیسا احمق بھی اُن کے طلسمِ خیال کا راہی ہے اور... اور کرنل

فریدی جیسا بلند حوصلہ، چٹانی صبر اور اولوالعزم کردار بھی آپ کے قلم کے ذریعے ہمارے ذہنوں کی وسعتوں میں گھر کر گیا ہے۔

محترم ابنِ صفی کا مسلک معاشرے پر قانون کی بالادستی قائم کرنا تھا۔ انھوں نے خود ہی کہا تھا: "میرا مشن ہے کہ آدمی قانون کا احترام کرے۔"

ہم نے اُن کے ناولوں میں، ہمیشہ اسی کو سرِفہرست پایا۔

سنسنی ادب زندگی کے ایک مخصوص شعبے سے تعلق رکھتا ہے۔ انسان کا دل اور دماغ ہمیشہ نیکی اور بدی کا محاذ بنے رہتے ہیں۔ حضرت آدمؑ سے لے کر آج تک قتل و غارت گری کا بازار گرم ہے۔ زمین... خود غرضوں سے کبھی پاک نہیں ہوئی۔ کچھ لوگ صبر کرنا جانتے ہیں جبکہ کچھ دوسروں کو اذیت پہنچا کر سکون محسوس کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ مجرمانہ راستے اختیار کرنے سے بھی نہیں ہچکچاتے تاہم وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ دنیا کا کوئی مجرم سزا سے نہیں بچ سکتا۔ قدرت خود اُسے مناسب انجام تک پہنچا دیتی ہے۔ ہمیں ان کی کتابوں میں یہی کچھ ملتا ہے کہ ایک طرف خواہشات کا ریلا ہوتا ہے اور دوسری طرف حق کی صدا گونجتی ہے... پھر کوئی عمران، کوئی فریدی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس آگ میں چھلانگ لگا دیتا ہے تو آگ سرد ہو جاتی ہے۔

محترم ابنِ صفی کی تحریروں کے پیچھے یہی جذبہ کارفرما تھا۔ وہ اس معاشرے کو ایک مثالی معاشرہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ انسانوں کے اندر جذبۂ حب الوطنی، شہریت کا لحاظ اور حقوق کا پاس پیدا کرنا چاہتے تھے۔

ادب کسی معاشرے کے جسم میں نبض کی طرح حرکت کرتا ہے اور ادیب وہی ہے جو اپنی انگلیوں کی حساس پوروں کے ذریعے نبض کی نرم گرم یا تیز رو لہریں فوراً محسوس کر لے اور پھر ایسا علاج بھی دریافت کرے جو جسم میں موجود ہر عارضے کو مکمل طور پر صحت عطا کر سکے۔ میں نہ تو اس جسم کا معالج ہوں نہ نباض بلکہ میں ادب کا ایک حقیر سا قاری ہوں۔ ابھی لکھنے والوں کے اس کارواں میں میں بہت پیچھے ہوں بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ مجھے اس شاہراہ پر گامزن کرنے کا سہرا میری آپی ساحرہ جی کے سر ہے۔ محترم ابنِ صفی سے تعارف بھی انھی کے ذریعے ہوا۔ شروعات امیر حمزہ سے ہوئیں اور اختتام ابنِ صفی پر اور بس، یوں بھی داستانِ امیر حمزہ پرانے وقتوں کی باتیں تھیں اور کچھ کرنل فریدی اور علی عمران کے مسحور کن طلسم نے بھی ہمارے ذہنوں سے طلسمِ ہوشربا کو فنا کر دیا۔

ابنِ صفی صاحب کی عظمت کا تذکرہ کرنے کے لیے میرا ذخیرۂ الفاظ بہت کم ہے۔ میرے ناچیز قلم سے نکلنے والے یہ الفاظ اس سمندر کے لیے چند قطرے ہیں۔

ان سے پہلے اُردو زبان میں جاسوسی ادب تراجم کے بوجھ سے خمیدہ ہو چکا تھا۔ اس بوجھ کو اُتارنے کا کام اُنھوں نے ہی سرانجام دیا وہ اس بھیڑ میں ایک مردِ آہن کی طرح بلند مقام پر کھڑے نظر آتے ہیں۔ اس شعبے کو اُنھوں نے جِلا بخشی۔ ان کے بے تحاشا عقیدت مند اس کی وجہ ان کا اور یجنل انداز، واقعہ نگاری کا سلیقہ اور سحر انگیز اسلوبِ بیان ہے۔ ادب خواہ تفریح کے لیے لکھا جائے اس میں کوئی نہ کوئی مقصدیت ضروری ہوتی ہے اور محترم ابنِ صفی نے اس مقصدیت کے دامن کو کبھی نہ چھوڑا۔ ان سے پہلے ہمارے ادب کے محاذ پر سنسنی ادب کا کوئی سپاہی نہ تھا اور یہ حصہ ہمیشہ شکست خوردہ ہی رہتا تھا اس لیے انھیں جاسوسی ادب کی تاریخ میں "بابائے جاسوسی" لکھا جائے گا۔

کیا محترم ابنِ صفی سے بڑا مصنف پاکستان پیدا کرے گا...!!!

نہیں... قطعی نہیں... کیونکہ انسان دوبارہ جنم نہیں لیتا! وہ غالب ہو میر ہو... اقبال ہو، ساحر ہو، کیا کوئی رُوپ بدل کر واپس آیا ہے... مگر یہ سچ ہے کہ وہ ایک نئے راستے کی طرف، نئے جزیرے کی جانب کشتیٔ حیات کی پتوار کو ڈال گئے۔ اب اس کشتی کو حالات کے بھنور اور زمانے کے ہچکولوں سے نجات دلانا ہمارا کام ہے۔

ادیب دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جن کو ادب کے مہا پُرش ادیب مان لیتے ہیں۔ ان کا ایک حلقہ بن جاتا ہے۔ اُن کی کتابیں ادب کے خزانے میں شامل ہو کر لائبریریوں کے کونے میں اس طرح دفن ہو جاتی ہیں جیسے لحد میں کوئی لاش! عام آدمی انھیں پڑھنا تو دُور کی بات ہے ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ہچکچاتا ہے... دوسرے وہ ہیں جنھیں ادبی ٹھیکیدار ادیب ہی نہیں مانتے... مگر وہ گھر گھر پڑھے جاتے ہیں... ان کی کتب کی تعریف میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جاتا ہے۔ پڑھنے والوں کے دلوں تک ان کی رسائی ہوتی ہے۔ وہ جھونپڑوں میں بھی مسرت کا پیام لاتے ہیں اور محلوں میں تنگ نظری کو فنا کرتے ہیں۔ وہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں۔ خیالوں، ذہنوں، دلوں اور گفتگو میں۔ آنکھیں انھیں تکتی ہیں۔ ہاتھ انتظار میں کھلے جاتے ہیں۔ بک سٹالوں کے چکر لگاتے ہوئے ٹانگیں نہیں تھکتیں اور پھر جب اُن کی کتاب آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو سوگوار آنکھیں کھل اُٹھتی ہیں۔ ہاتھ بے تابی سے کتاب کی طرف بڑھتے ہیں۔ نہ چلنے کی سکت کے باوجود ٹانگیں ایک نئی اُمنگ، ہمت، عزم اور جدوجہد کے ساتھ اپنا کام کرنے لگتی ہیں۔ بس محترم ابنِ صفی اسی دوسری اور ہر دلعزیز صف میں آتے ہیں اور اس میں اُن کا مرتبہ ان کا مقام سب سے نمایاں سب سے بلند ہے۔ یہ نام نہاد نقاد اپنی اصلیت کھو بیٹھنے کے لیے زیادہ عرصہ نہیں لگائیں گے جب کہ محترم

ابنِ صفی ہمیشہ ہمارے دلوں میں دھڑکنوں کی طرح بسے رہیں گے۔

ویسے بھی ادیب کا سرمایہ اُس کی دولت اس کے پڑھنے والے ہوتے ہیں۔ اس کے قارئین، شائقین کی لمبی قطاریں اس کی ہر دلعزیزی کا ثبوت ہوتی ہیں۔ ادیب اپنے پڑھنے والوں کے ساتھ ایک لطیف ناتا جوڑ لیتا ہے۔ احساسات و خیالات۔ کا سُندر سانا تا۔ قلم کے ذریعے پھیلائی گئی چاشنی کے ذریعے بھی یہ ناتا باہم مضبوط ہو جاتا ہے اور پھر جہاں جہاں قاری ادیب کے قلم سے نکلے ہوئے سُندر شبدوں کی کلاسیکی مُدھرتا میں ڈوبتا جاتا ہے وہاں وہاں اس کے ذہن پر ادیب کا اثر گہرا ہونے لگتا ہے پھر قارئین خود ہی اس بات کا فیصلہ کر دیتے ہیں کہ ادب کے اس اکھاڑے کا اس میدان کا شہسوار کون ہے یہاں پر نقادوں کی ایک نہیں چلتی اور وہ اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ اب یہ ثابت ہوتا ہے کہ قارئین ابنِ صفی صاحب کے حق میں یہ فیصلہ برسوں پہلے کر چکے تھے اور انھیں میدان کا شہسوار تسلیم کر چکے تھے۔

مجھے جن شخصیات سے ملنے کا ارمان تھا ان میں سرِ فہرست محترم ابنِ صفی صاحب ہی تھے لیکن افسوس کہ اُن سے ملاقات کی یہ خواہش کبھی پوری نہ ہو سکی مگر ساحرہ جی ان سے ملاقات کر چکی ہیں جہاں پر ان کے تاثرات، ان کے احساسات، اُن کی ڈائری کے وہ صفحات جو محترم ابنِ صفی صاحب کی عقیدت سے پُر ہیں پیش کرتا ہوں۔ آئیے دیکھیں اُنھوں نے اپنی روحانی محبت کا اعتراف کس طرح کیا ہے۔

ایک نامور مصنف جس کی کتابیں دوسرے تیسرے دن ہی بک اسٹالوں سے غائب ہو جایا کرتی تھیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں ان کی ہر کتاب لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوتی تھی۔ ہندوستان میں ان کے پبلشر عباس حسینی محترم ابنِ صفی کی بدولت کوٹھی بنگلے اور کاروں کے مالک ہیں مگر ابنِ صفی صاحب اب تک اسی حالت میں ہیں جیسی ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے تھے۔ سب سے زیادہ بکنے جانے والے نام ابنِ صفی کے گھر نہ صرف کسی قسم کا سامانِ تعیش نہیں ہے بلکہ وہاں بالکل ایک متوسط طبقے کے مثالی مشرقی گھر کا سماں ہے۔ گھر کی صفائی ستھرائی ..... مکینوں کی نفاست حسنِ ذوق کی دلیل ہے وہاں سُگھڑپن ہے قناعت کا سکون ہے لوگوں کی مسکراہٹ ہے۔ اُن کے گھرانے کے لوگ قناعت اور اطمینان کی دولت سے مالا مال ہیں۔

جب میں محترم ابنِ صفی سے ملی تو ایسا محسوس ہوا جیسے وقت تھم گیا ہو۔ وہ دن میری زندگی کا حاصل ہے، جسے شاید میں کبھی نہ بھول سکوں! یہ میرا دعویٰ ہے! اور شاید اگر کسی حادثے میں میری یادداشت کو نقصان پہنچ جائے تو بھی اُن کا نقش، اُن کی محبت میرے دل میرے ذہن سے فنا نہ ہو سکے گی۔ محترم ابنِ صفی ایک معصوم شاعر تھے جنھوں نے جاسوسی ادب کو اپنا کر ہم پر احسانِ عظیم کیا۔ ان سے ملاقات سے پہلے میری سوچوں کے عکس میں اُن کی شبیہہ یہ تھی کہ وہ بھی "فادر ہارڈ اسٹون" کی طرح ناقابلِ شکست اور علی عمران کی طرح لافانی ہوں گے مگر وہ تو دوسروں کے سے ایک کمزور انسان نکلے۔ موت کے سامنے لاچار، بے بس، مجبور۔ ان سے ملاقات کرتے وقت میں بے حد مرعوب اور خوفزدہ تھی کہ میں اُن سے ملنے جا رہی ہوں جو بہت اونچے اور بُلند مرتبے کے انسان ہیں جنھوں نے فریدی، عمران، صفدر، حمید، طاہر، انور، رشی، جولیانا، جوزف، جیمسن، قاسم، سلیمان جیسے محبوب اور علامتی کرداروں کو جنم دیا پھر تھریسیا۔ سنگ ہی، جابر، جیرالڈ شاستری بوغانا نوتہ۔ یما۔ ڈاکٹر سلیمان، سر بنتھال۔ ڈاکٹر نارنگ۔ گارساں، فنچ کے علاوہ دوسرے ایسے کردار تخلیق کیے جن کی ریشہ دوانیاں قاری کو اُن سے نفرت پر مجبور کر دیں مگر پھر وہ پڑھنا بھی انھی کرداروں کو چاہیں پھر طلسمِ ہوشربا سے بڑھ کر "زیرو لینڈ" اور ہوشربا "تاریک وادی" کی بنیاد ڈالی۔ میرا خیال تھا کہ وہ بھی جنگجو غصہ ور اور سُرخ سرخ... آنکھوں والے کوئی انسان ہوں گے مگر وہ تو اتنے حلیم، شفیق... منکسر المزاج، معصوم اور خاموش طبع نظر آئے کہ اُنھیں دیکھ کر میں بہت رہ گئی۔ نہ کسی قسم کا غرور نہ خود پسندی اور خود نمائی اور نہ ہی اپنے مشہور ہونے کا تکبر۔ مجھے ان کے دھیمے دھیمے خوبصورت اندازِ گویائی میں وہ شیریں الفاظ آج بھی یاد ہیں جو اُنھوں نے میرے سر پر شفقت بھرے ہاتھ رکھ کر کہے تھے اور مجھے بیٹی کہا تھا۔ آج... آج میں روحانی طور پر یتیم و یسیر ہو گئی ہوں۔ آج ۲۶ جولائی کو مجھے خبر ملی ہے کہ وہ اس جہاں سے رُخصت ہو گئے جن کے دم سے رونق تھی، محفل جن کے دم سے رواں دواں تھی۔

میری آٹوگراف بک پر اُن کی خوبصورت تحریر اشکوں سے پُر آنکھوں سے بھی صاف نظر آ رہی ہے۔

احساسِ کمتری شخصیت کے لیے سمِ قاتل سے کم نہیں۔

میری محبت کبھی اتنی شدید نہیں ہو سکتی کہ میں اُسے اپنی انا پر ترجیح دے سکوں۔

آدمی بخیدہ ہو کر کیا کرے جبکہ وہ جانتا ہے کہ ایک دن اُسے اپنی بخیدگی سمیت دفن ہو جانا ہے۔

قہقہہ دراصل وہی ہے جو آنسوؤں کے سمندر میں تیرتا ہوا لبوں تک آتا ہے۔

اور پھر یہ کہ۔

کسی کے مرنے کا غم اُسے ہونا چاہیئے جسے خود نہ مرنا ہو۔

اب میں انھیں کیسے بتاؤں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے اس جہاں سے چلے جانے پر انسان تو انسان پوری کائنات پر سوگ طاری ہو جاتا ہے پھر آپ کے مداح کیسے نہ آنسو بہائیں۔ غم کا انداز، اشک شوئی اور مسرت کا اظہار مسکراہٹ ہے۔

یہ بھی درست ہے کہ۔

بالآخر تھک ہار کے یارو ہم نے بھی تسلیم کیا !!
اپنی ذات سے عشق ہے سچا، باقی سب افسانے ہیں

آپ کا یہ شعر بھی اس وقت آنسوؤں میں ڈوبا نظر آرہا ہے۔

وہ چلے گئے مگر اپنی نادر تحریروں اور عالمی ادب کے روشن کرداروں کی بدولت ہمیں بین الاقوامی سطح پر کھڑا کر گئے۔ اُن کی عظمت میں کوئی شک و شبہ نہیں! یہی کیا کم ہے کہ آج ان کے کردار بہت سے انارڑیوں کا پیٹ بھر رہے ہیں۔ نئے لکھنے والے ان کے ناولوں سے اصلاح لیتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ۔

ہمت مجھ میں اعتراف کی نہیں۔

اس کے علاوہ ایک ناول "طوفان کا اغوا" میں اُنھوں نے ایک مشینی آدمی (فولادی) کا تخیلاتی تصور پیش کیا تھا۔ اس کے تقریباً دس سال بعد رُوسیوں نے اس تصور کو حقیقت بنا دیا۔ اس کے بالکل وہی فنکشن تھے جو "طوفان کا اغوا" میں محترم ابنِ صفی صاحب نے بتائے تھے۔

محترم ابنِ صفی کے جانے سے اردو ادب کا ایک شاندار اور تاریخ ساز باب تمام ہوا۔ اک ویرانی ہے جو وہ چھوڑ گئے ہیں اس لیے کیوں نہ روؤں، آنسو نہ بہاؤں، کیوں خدا سے احتجاج نہ کروں، اگر یہ سب نہیں بھی تو یہ ابدی جدائی زندگی کے ہر موڑ پر بھاری ہے۔

آج وہ ہم میں نہیں مگر من کی آتما نہیں مانتی۔ وہ تو آج بھی اسی احساس کے ساتھ ہے جیسے اُن کی حیات میں تھی اُن کی شوخ تحریریں ایسی تھیں جیسے وہ مسکراہٹوں کی سوغات لٹا رہے ہیں اور اب اُن کی یادیں آنسو بن کر روح کی تاریک گہرائیوں میں اُترتی ہی چلی جاتی ہیں۔

علم و ادب کا وہ چمکتا سورج جس کا ذہنی نور ہمارے مجبوس ذہنوں کو منور کرتا تھا وہ ہمیشہ کے لیے کہیں جا چھپا ہے۔ ان کی تحریر شوخی و طنز کا لطیف اور کٹیلا امتزاج ہے۔ برجستہ و بے ساختہ جملوں کا سیلِ رواں جاری ہے دُنیا کی کسی زبان کا سَری ادب ابنِ صفی جیسا قلمکار نہیں پیدا کر سکا۔ اُن کی اضافی خصوصیت اس میں مزاح کا طاپ ہے۔ وہ اس صنفِ سخن کے بے تاج بادشاہ ہیں اور ان تک پہنچنے والا کوئی نہیں لیکن اب جاسوسی ادب کا چاند گھٹا ٹوپ بادلوں کی اوٹ میں چھپ گیا، عارضی نہیں مستقل ان کی عظمت کے اعتراف اور عقیدت کے خراج میں یہ چند آنسو، چند آہیں جو میری روح کی گہرائیوں سے نکل رہی ہیں بے حد مختصر ہیں اب مجھے ان کی سمندر جیسی گہری اور بے کراں زندگی، نشیب و فراز، تلاطم، تموج ہی نظر آرہا ہے۔ اُن کی سنجیدہ سنجیدہ تصویر جس میں وہ گہری سوچ میں ڈوبے ہیں میرے پاس موجود ہے اور یک بیک یہ شعر یاد آرہا ہے جو شاید حضرت اسرار (محترم ابنِ صفی) نے اپنے لیے ہی کہے ہیں ؎

مدتوں ذہن میں گونجوں گا سوالوں کی طرح !
تجھ کو یاد آؤں گا گزرے ہوئے سالوں کی طرح
ڈوب جائے گا کسی روز جو خورشیدِ انا !!
مجھ کو دُہراؤ گے محفل میں مثالوں کی طرح

میری ڈائری کا یہ ورق ہمیشہ میری نگاہوں میں تاریکیاں تنہائیاں بکھیرتا رہے گا۔ مجھے محترم ابنِ صفی سدا یاد رہیں گے اور زندگی ختم ہو جائے گی، تمام ہو جائے گی، کیونکہ۔

عزرائیل نے کسی کو بھی نہیں چھوڑنا۔

ساحرہ سحر ــــ ۲۷ جولائی ۱۹۸۰ء

آج سے تقریباً ساٹھ برس قبل الٰہ آباد کے ایک چھوٹے سے گاؤں نارہ میں صفی اللہ صاحب کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کا نام نیک "اسرار احمد" رکھا گیا۔ اُس وقت ماں باپ اور دوسرے عزیزوں کو کیا معلوم تھا کہ جس بچے کا نام وہ "اسرار" رکھ رہے ہیں آگے چل کر وہ اس نام کو اپنے قلم کا عنوان بنا لے گا اور اسرار و رموز کی دُنیا میں اپنی تخلیقات کے ایسے چراغ روشن کرے گا جو برِصغیر کے سَری ادب میں ہمیشہ درخشاں رہیں گے۔

محترم ابنِ صفی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری اسکول میں حاصل کی اور پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنی والدہ اور بہن کے ساتھ الٰہ آباد آ گئے۔ اُن کے والد اپنی ملازمت کے سلسلے میں عموماً باہر ہی رہتے تھے۔ محترم ابنِ صفی کی تمام صلاحیتیں اُنھیں والدہ کی طرف سے وراثت میں ملی تھیں۔ اُن کے ننھیال میں اہلِ تصنیف بھی گزرے ہیں۔ اُن کے پرنانا نے متعدد کتابیں طبِ یونانی پر لکھی تھیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت اچھا اور اعلیٰ علمی ذوق رکھتے تھے۔ گھر میں کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا۔ محترم ابنِ صفی نے کتابوں کے درمیان ہی آنکھیں کھولی تھیں اس لیے بچپن سے ہی کتابوں سے لگاؤ تھا۔ اسے وہ اپنی زبانِ شگفتہ میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

سورج غروب ہوتے ہی سانحہ زدہ محرابوں میں ابابیلیں بسیرا لینے لگتیں اور مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے اب باغِ نسیب میں افراسیاب

کی محفل جمے گی اور چالاک بن عمرو ملکہ حیرت کی کسی کنیز کے بھیس میں اس کی سواری کے ہمراہ اس محفل میں در آئے گا۔ میں گھنٹوں طلسم ہوشربا کے کرداروں کے بارے میں سوچتا رہتا۔ سات آٹھ سال کی عمر میں طلسم ہوشربا کی ساتوں جلدیں پڑھ ڈالی تھیں۔ خواجہ عمرو کے شاگردوں میں برق فرنگی میرا پسندیدہ کردار تھا اور میری خواہش تھی کاش چالاک بن عمرو کی بجائے برق فرنگی ملکہ حیرت پر عاشق ہوتا۔ پتا نہیں کیوں چالاک بن عمرو مجھے کچھ مولوی مولوی سا لگتا تھا۔

وہ ایک بھرا پُرا قصبہ تھا جہاں میں نے آنکھیں کھولی تھیں۔ خوشحال زمینداروں کی بستی تھی ہر طرف فرصت نظر آتی۔ تاش شطرنج اور گنجفے کی بازیاں جمتیں۔ کچھ لوگ سیر و شکار سے جی بہلاتے۔ بعض گھرانے ایسے بھی تھے جہاں زیادہ تر علم و ادب کے چرچے رہتے۔ والد حضور کو مطالعے سے دلچسپی تھی لہٰذا گھر میں ناولوں اور قدیم داستانوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے لیکن مجھے اجازت نہیں تھی کہ ان کو ہاتھ بھی لگاؤں بس چوری چھپے کوئی کتاب کھسکائی اور ظاہر کرتے ہوئے کہ کھیلنے جا رہا ہوں چھت پر ہو لیا۔ سارا سارا دن گزر جاتا آخر ایک دن پکڑا گیا اور والدین میں ٹھن گئی لیکن فیصلہ میرے ہی حق میں ہوا۔ والدہ نے کہا اُن بچوں سے تو بہتر ہی ہے جو دن بھر گلی میں گلی ڈنڈا یا گولیاں کھیلتے پھرتے ہیں! پھر اس دن سے کوئی روک ٹوک نہیں ہوئی اور میں داستانوں میں ڈوبا رہا۔

آگے چل کر لکھتے ہیں۔

بہرحال شہر آئے۔ کچھ دنوں کے لیے مطالعے کا سلسلہ منقطع ہو گیا کتابوں کے ڈھیر گاؤں میں رہ گئے۔ اسکول سے واپس آکر بڑی اُلجھن میں مبتلا رہتا پھر ہوائی قلعے بننے لگتے اور خود کو طلسم ہوشربا کی حدود میں پاتا۔ کسی مظلوم جادوگرنی کے لیے کوئی کارنامہ سرانجام دے کر اس کی آنکھوں کا تارا بنتا اور اس کی مدد سے پورا مطبع و کتب خانہ منشی نول کشور کا اُٹھوا منگاتا۔ دن گزرتے رہے اور میں سوچتا رہا کہ شہر تو بڑی واہیات جگہ ہوتی ہے جہاں ڈھیروں پیسے نہ ہوں تو آدمی مطالعے کو بھی ترس جائے۔ اس طرح رائیڈر ہیگرڈ نے میرے کچے ذہن پر تسلط جمایا۔ طلسم ہوشربا اور رائیڈر ہیگرڈ کے تاثرات نے آپس میں گڈمڈ ہو کر میرے لیے ایک عجیب سی ذہنی فضا مہیا کر دی تھی جس میں میں ہمہ وقت ڈوبا رہتا۔ ایسے ایسے خواب دیکھتا کہ بس۔ خواب اور مطالعے کا سلسلہ جاری رہا۔

محترم ابنِ صفی صرف ایک بلند پایہ ادیب و شاعر ہی نہیں تھے۔ بلکہ وہ بہترین انسان، دوستوں کے بہترین دوست اور انتہائی ذمہ دار، شریف اور وضع دار شخص تھے۔ اُن کے ہونٹوں پر رقصاں پُرخلوص تبسم اُن کے حسنِ کردار کا اعلان کرتا تھا۔ ان کے سینے میں ایک پُرنور دل دھڑکتا تھا جو ہر شخص کے دُکھ درد کو فوراً محسوس کر لیا کرتا تھا۔

لکھنے کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ ساتویں جماعت میں تھے اس وقت ایک کہانی ان کے ذہنی تخیل سے لفظی پیراہن اوڑھ کر وجود میں آگئی۔ یہ کہانی اُنھوں نے ہفت روزہ "شاہد" بمبئی میں بھیج دی۔ عادل رشید اس جریدے کے مدیر تھے۔ اس کہانی نے عادل رشید کو اتنا متاثر کیا کہ انہوں نے ہفت روزہ میں کہانی لگاتے وقت محترم ابنِ صفی کا نام کچھ اس طرح لکھا۔

نتیجۂ فکرِ مصورِ جذبات حضرت اسرار نارویؔ۔

پھر اُن کی کہانیاں "شاہد و بیکلی" میں چھپتی رہیں۔ زیادہ تر رومانی کہانیاں تھیں پھر جب میٹرک میں تھے تو اچھی خاصی شاعری شروع کر دی۔ انھی دنوں "ہندوستان چھوڑو" تحریک شروع ہو چکی تھی۔ اُنھوں نے اس ضمن میں ایک بہت ہی اچھی انقلابی نظم کہی تھی جو کافی مشہور ہوئی تھی۔

وہ دیکھو اُفق کے سینے پر لہراتے شہیدوں کے دامن
پھر باندھے سروں سے اپنے کفن نکلے ہیں فرزندانِ وطن
بن جائے گا لالہ زار وطن کچھ دیر میں شہداء کا مدفن
خاموش وطن کی تم کو قسم للہ نہ روکو جانے دو
گر راہ وفا میں کام آؤں سیندور سے مانگ بھرے رہنا
بندی نہ مٹانا ماتھے کی تم میری راہ تکے رہنا!!!
میں خواب میں اکثر آؤں گا سینے میں آس رکھے رہنا!
اب چھوڑ بھی دو میرا دامن للہ نہ روکو جانے دو

محترم ابنِ صفی کی ادبی زندگی کا آغاز شاعری سے ہوا اور اس میدان میں بھی اُنھوں نے اپنی ذہانت اور انفرادیت کی تابناک شمعیں روشن کی ہیں۔ اُن کے کلام میں ایک چاشنی ہے۔ غزلوں میں کیفیات و احساسات کے تانے بانے کچھ اتنی خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ بُنے گئے ہیں کہ دل بے اختیار داد دینے کو چاہتا ہے۔

اُچٹی ہے جو نیند پچھلی شب سے
بیٹھا ہوں اُداس جانے کب سے
سونے کو ترس ترس گیا ہوں
دیکھا ہے وہ خواب میں نے جب سے
آنکھوں میں پڑھو جو پڑھ سکو
وہ بات نہ سُن سکو گے لب سے

اور پھر۔

ملکِ طرب کے رہنے والو یہ کیسی مجبوری ہے!

ہونٹوں کی بستی میں چراغاں دل کے نگر اتنے سُنسان

سرِ ادب کی شاہراہ پر اُنھوں نے اپنی تخیلاتی گاڑی ۱۹۵۲ء میں ڈالی کہ عباس حسینی صاحب نے ایک ماہنامے کا اجراء بنام "نکہت" کیا جس کے لیے ابنِ صفی صاحب نے "طلسمِ فرغان" اور "عقربِ بہارستانی" کے نام سے طنزیہ مضامین لکھے۔ طنز و مزاح سے یاد پڑتا ہے کہ اس بساطِ ادب میں بھی اُنھوں نے بہت سے لکھنے والوں کو مات کیا اور جادو اثر تحریروں سے لوگوں پر سحر طاری کیا مگر یہاں بھی ذاتیات اور خوش فہمیاں عروج پر تھیں۔ آج ہم شوکت تھانوی، مشتاق یوسفی، شفیق الرحمان، رشید صدیقی اور پطرس کا ذکر تو بڑے فخر سے کرتے ہیں مگر یہ بڑا نام یہاں بھی ہمیں دکھائی نہیں دیتا تو ہم نادم ہو کر اُس نام کی طرف سے اپنی شکل ہٹا لیتے ہیں آج اردو نصاب میں غالب، مومن، پطرس، رشید تو ملیں گے مگر محترم ابنِ صفی صاحب کے لیے ایک صفحہ بھی نہیں ملے گا۔

بہر حال بے شمار طنزیہ مضامین لکھے۔ جاسوسی ناول لکھنے کا آغاز اس طرح ہوا کہ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ اُردو میں جنسی کہانیاں ہی بک سکتی ہیں۔ محترم ابنِ صفی اس بات سے متفق نہ ہوئے یوں عباس حسینی نے جاسوسی ماہنامے کی داغ بیل ڈالی، اس کے لیے عباس صاحب نے راہی صاحب (ڈاکٹر راہی معصوم رضا، مشہور عالمی مصنف اور ڈائیلاگ رائٹر) کو منتخب کیا لیکن محترم ابنِ صفی نے وکٹر گن کے ایک ناول سے مدد لے کر "دلیر مجرم" تیار کیا۔ اس کے نمایاں کردار انسپکٹر "فریدی" اور "سارجنٹ حمید" ان کا اپنا تخیل تھے پھر تو سلسلہ چل نکلا اور ۱۹۸۰ء تک چلتا رہا۔ درمیان میں تین سال کے لیے ناسازیٔ طبیعت کی وجہ سے محترم کوئی نئی کتاب نہ لکھ سکے۔ تین سال لوگوں کے لیے تین ہزار سال ثابت ہوئے اور پھر، بیماری سے اُٹھنے کے باوجود اُنھوں نے فوراً لکھنا شروع کر دیا۔ ڈیڑھ سو تالے کا فقید المثال ایڈیشن لوگوں کو اب بھی یاد ہوگا۔ کتابی دُنیا میں ایسا شاید ہی ہوا ہو یعنی ایک ہفتے میں دو ایڈیشن اور تیسرے کی تیاری... شاید ہی کوئی ناول نگار ہو جس کا ناول اس طرح ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہو۔ کُل دو سو چھیالیس ناولز میں سے آٹھ ایسے تھے جس میں کسی نہ کسی طرح انگلش ناول سے مدد لینی پڑی ہو۔ ورنہ باقی سب ہر قسم کی ملاوٹ سے مبرا تھے۔ خالص آپ کی اپنی ذہنی کاوش یعنی دو سو چھیالیس میں آٹھ ملاوٹ شدہ، باقی ان کے اپنے اور یکتا، پھر آخر ادب کے نام نہاد تاجدار یہ کیوں کہتے ہیں کہ اُنھوں نے ادب کی خدمت نہیں کی۔ بس اُنھوں نے وہ کچھ نہیں کیا جو چند ہاتھوں کے گرد گھومتا ہے۔ چند افلاطونی باتیں اور ایک ہزاری ایڈیشن کے قائل نہ تھے۔ تفریح تفریح میں چند کام کی باتیں بتا دینا ہی اُن کا طرۂ امتیاز تھا۔ ہمارے خیال میں اُنھوں نے ادب کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ ادب میں ان کا بہت بڑا مقام ہے اتنا بلند کہ وہاں تک پہنچنا شاید کم کم کو ہی نصیب ہوتا ہے۔

اُن کے چاہنے والوں کی عجیب ترین فرمائشوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ادبی انعام کے لیے کوشش کیوں نہیں کرتے! ان کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا۔

میرا سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ آپ لوگ میری کتابیں پسند کرتے ہیں، انھیں حرف بحرف اس طرح پڑھتے ہیں کہ بعض عبارتیں ازبر ہو جاتی ہیں اور آپ بے تکان ان کے حوالے اپنے خطوط میں دیتے ہیں اور مجھے متعدد کتابیں اُلٹنی پڑتی ہیں کہ میں نے یہ چیز کب اور کہاں لکھی تھی۔ ویسے ایک بات ہے۔ آپ کسی "پبلک چوٹی فنڈ" سے کوئی ایسا ادارہ قائم کیجئے جو اچھی ادبی تخلیقات پر انعام دے سکے تو میں اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا کیونکہ اس کی نوعیت "قومی" ہوگی، لیکن شخصی انعام کا تصور بھی میرے لیے توہین آمیز ہے۔

ایک دوسری جگہ رقمطراز ہیں۔

اور ہاں اس خیال کو دل سے نکال دیجئے کہ میں اپنے ہی جیسے کسی انسان سے انعام کا خواہاں ہوں اس کا تصور بھی مجھے احساسِ کمتری کے گڑھے میں دھکیل دے گا۔ میرے لیے میرے اللہ کا یہی انعام کافی ہے کہ کتاب فروش میری کتابوں کو گرنسی نوٹ کہتے ہیں۔

یہی کیا کم ہے کہ ابنِ صفی صاحب کے ناول پڑھنے کے لیے بہت لوگوں نے اردو زبان سیکھی۔ اردو کی اس سے بڑی خدمت اور کیا ہو گی، جب ہی تو بابائے اردو نے ابنِ صفی صاحب کے لیے کہا تھا "ابنِ صفی نے اردو کی بہت خدمت کی ہے"۔

اپنے ایک ناول "پیاسا سمندر" میں وہ تحریر کرتے ہیں "جانتی ہو آدمیت کی معراج کیا ہے! آدمی کی معراج یہ ہے کہ وہ اپنے مسائل خود حل کر لے۔ اگر اُس نے مصنوعی سیارہ خلا میں پھینکنے کی بجائے سرطان کا کامیاب علاج دریافت کر لیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اب اُس کے قدم اُس راہ کی طرف اُٹھ گئے ہیں جس کی انتہا اس کی معراج ہوگی، ... اگر اُس نے چاند تک پہنچنے کی اسکیم بنانے کے بجائے زمین کے ہنگامے پُر امن طور پر فرو کرنے کا کوئی ذریعہ دریافت کر لیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اب سمندر پیاسا نہیں رہے گا بلکہ خود بھی سیراب کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا ہو چکی ہے"۔

اُن کی عظمت کے بیان کے لیے سینکڑوں صفحات پر سُندر موتیوں کی مالا پروئی جا سکتی ہے۔ محترم ابنِ صفی ڈھائی سو جاسوسی کتب کے علاوہ دوسری مختلف کتب اور ان گنت مضامین کے خالق ہیں۔ ان

کے یہاں زبردست طنز ملتا ہے جو نام نہاد شریفوں کو ننگا کر کے رکھ دے مثلاً اُن کا ایک طنزیہ بنام "ڈپلومیٹ مرغ" تھا۔ اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں۔

ڈپلومیسی کا بانی اور خالق شیطان الرجیم تھا۔ سجدے سے انکار اس لیے کیا تھا کہ خاک کے پُتلے کو حقیر سمجھا تھا لیکن اللہ پاک کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ وہ مُوحدِ اعظم ہے اُس کے علاوہ اور کسی کو سجدہ نہیں کر سکتا ہے۔

اُن کا عہدِ زریں جو حصولِ آزادی کے وقت شروع ہوا تھا تقریباً بتیس برسوں پر محیط ہے۔ اس دوران اُنھوں نے لاتعداد لوگوں کو متاثر کیا اُن کی تخلیق کردہ محور کُن شخصیات ہزاروں کی نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں انسانوں کی آئیڈیل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان کرداروں کے نام خاص و عام میں مشہور ہو چکے ہیں، لوگ بڑی محبت بڑی آرزوؤں کے ساتھ اپنے بیٹوں کے نام فریدی، عمران، حمید، صفدر رکھتے ہیں۔

ان کے کچھ کرداروں نے ایک دو ناول کے بعد ہی ایسا گہرا تاثر پڑھنے والوں پر قائم کیا کہ قارئین نے اُن سے دوبارہ ملاقات کی آرزو کی مثلاً "طوفان کا اغوا" والی نیلم جو حمید کو "بابا" اُس وقت بھی کہتی ہے جب وہ کسی حسین ترین لڑکی یا حمید کی اپنی لُغت کے لحاظ سے "یلاہلی" کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ اس وقت حمید کے پاس سر پیٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ پھر "لاشوں کا آبشار" کی کنول کو بھی لوگ اب تک نہیں بھولے۔ صفدر کو زچ کر دینے والی گرڑ وڈ بھی یاد ہے اُنھیں۔ ایسے اور بھی بہت سے کردار ہیں۔ محترم ابنِ صفی نے اپنی تحریروں کے ذریعے بہت سوں کی زندگی کے رُخ تبدیل کیے ہیں۔ اندازِ فکر تبدیل کر ڈالا ہے اور اُن کی تخریبی سوچ تعمیر کی طرف مائل ہو گئی۔

کیا محترم ابنِ صفی صاحب اس دُنیائے فانی سے رُخصت ہوئے! یہ ایک ایسا سوال ہے جو ہماری آنکھوں کو اشکوں سے بھگو دیتا ہے پھر ایسے لوگ جب بھی یاد آئیں تو آنکھیں اشکوں سے بھیگیں نہ تو کیا کریں۔ اُنھوں نے خود کہا تھا۔

ابھی سے کیوں شام ہو رہی ہے
ابھی تو جینے کا حوصلہ ہے !!

مگر شاید ان کا وقت آگیا تھا۔ وہ لوگ جنھیں قلم چلانا آتا ہے وہ محترم ابنِ صفی سے اپنے تعلقِ خاطر اور وابستگی کے اظہار کے لیے لکھتے رہیں گے لیکن مجھ جیسے کروڑوں گُمنام چاہنے والوں کا کیا ہو گا جن سے اُن کا ناتا صرف کتاب کی صورت میں، تحریر کی شکل میں تھا۔ ان کی ہر کتاب اپنی جگہ شاندار ترین ہے ہر کتاب میں ایک نیا مسئلہ ہے دُنیا کا ایسا کوئی مسئلہ نہیں جو اُنھوں نے ناول میں پیش نہیں کیا۔ ناولز کے ناموں کی ندرت بھی تو دیکھیے، لاشوں کا آبشار، چیختے دریچے، ہولناک ویرانے پیاسا سمندر، کالے چراغ، لاشوں کا بازار، دُشمنوں کا شہر، زمین کے بادل اور دوسرے تمام نام ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ پورا طلسم ہوشربا پنہاں ہے ان میں۔

اَب زیرولینڈ کے راز سے پردہ کون ہٹائے گا؟
کون ہے جو فریدی کی ذہنی پاکٹ سے جیرالڈ شاستری جیسے مجرم نکلوائے گا؟
علی عمران کی حماقتیں کیا اسی طرح جاری رہیں گی؟
حمید اور شہناز کا کیا بنے گا؟
حمید اسی طرح تشبیہات ایجاد کر سکے گا؟
صفدر اُسی دُھن سے کام کر سکے گا؟
کیا قاسم اسی طرح چپاتی بیگم کو کوسے گا اور عاصم صاحب سے ڈنڈے کھائے گا؟
کیا اَب بھی اُسے یلاہلیوں اور فُل فلوٹیوں کی تلاش رہے گی؟
تھریسیا اور جولیا کی یکطرفہ عمران سے محبت کا انجام کیا ہو گا؟
ایکسٹو کا راز کب فاش ہو گا؟
کرنل فریدی کی بلیک فورس کب سامنے آئے گی؟

اَب یہ سب خواب ہی ہیں کیونکہ یہ سب تو ان کے ساتھ لحد میں چلا گیا۔ نئے لکھنے والے کہاں اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اس خوبی سے واقعات بیان کر سکیں۔ وقت کا مرہم ہر زخم کو مندمل کر دے گا۔ یادیں ماضیٔ رفتہ کے دُھندلکوں میں معدوم ہوتی جائیں گی چراغ سحری بجھتے رہیں گے نئے دیئے روشن ہوں گے۔ نئی تابانیاں بکھریں گی لیکن مجھے اور میرے ساتھ اور بہت سے لوگوں کو اُن چراغوں کا انتظار رہے گا جو ابنِ صفی صاحب کے چلے جانے سے چھانے والے اندھیروں میں روشنی کی کرنیں پھیلا سکیں، لیکن....

انتظار۔ انتظار ہی رہے گا اور ہم سب ختم ہو جائیں گے۔

زندہ رہنے کے لیے کھال پر کتنی تہیں چڑھانی پڑتی ہیں یہ اور بات ہے کہ روح کی کراہ قہقہوں سے بھی جھانکتی ہے۔

"جو کہہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فنِ اسرار
جو کہہ نہ پائے نہ جانے وہ چیز کیا ہوتی"